© rasailojaraid.com

مقالات

ورثۂ اسلامیہ کا ایک باب

تصوف اسلام ڈاکٹر نکلسن کی نگاہ میں

(۲)

ترجمہ و تحشیہ جناب ذوقی شاہ صاحب

اسلام میں لوگوں کے اعمال پر حکم لگایا جاتا ہے اور جمہور کے خلاف عقائد کے کسی کے دل میں پیدا ہونے کی روک تھام عام طور پر سزاؤں کے ذریعہ سے نہیں کی جاتی۔ صوفیاء کے عقاید خواہ ظاہر شریعت سے کتنے ہی ٹکرائیں جب تک کہ صوفی اپنے دوسرے مسلمان ساتھیوں کی طرح عبادت کیے چلا جاتا ہے اسے کوئی شدید نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یہ بات متفقہ طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ حلاج ارکان مذہب کی پابندی میں بہت سخت تھا اور اس نے ان ادنیٰ منزلوں کی کبھی تحقیر نہیں کی، گو انھیں کبھی سراہا بھی نہیں جن کے ذریعہ سے انسان کو خلوص قلب اور عبدیت (جو کہ حقیقت مذہب ہے) کی بلندی پر چڑھنا پڑتا ہے۔ یہ اکثر صوفیا کی روش رہی ہے اور دو آقاؤں کی خدمت کرنے کی یہی صورت بہترین بھی معلوم ہوتی ہے۔ اگر حلاج کا میلان اپنے ضمیر کا ساتھ دینے پر حد سے بڑھا ہوا تھا۔ فقہا اور حکومت اسلامی کے اقتدار کے مقابلہ میں اس نے اپنے ذاتی اقتدار کو پیش کر دیا جو باعتبار ولی و اہل حق ہونے کے اس نے براہ راست خدا سے اخذ کیا تھا۔ وہ مثل جنید کے صاحب نظریہ ہی نہ تھا بلکہ قرامطہ کے ساتھ ساز باز رکھنے کا بھی اس پر شبہ کیا گیا تھا اور اس نے اپنے عقائد کی تعلیم مومن و کافر کو یکساں طور پر دینی شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردی تھی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنی تائید میں اس نے اپنی کرامتیں دکھلا دکھلا کر لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا تھا۔ ان وجوہ سے اس کے خلاف ٹھیک فتویٰ ہوا۔ اُس کا قصور یہ نہ تھا جیسا کہ صوفیائے متاخرین کہتے ہیں کہ اس نے ربوبیت کا راز فاش کر دیا، بلکہ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے اپنے اندر کی آواز پر عمل کر کے ایک ایسی حقیقت کو ظاہر کر دیا اور اس پر زور دیتا رہا جس سے مذہبی، سیاسی، اور تمدنی شیرازہ درہم و برہم ہو جاتا۔ دوسرے صوفیوں پر بھی وہ حقیقت منکشف ہوئی مگر حلاج اسی حقیقت کی خاطر جیا اور اسی کی خاطر مر گیا۔ یہی سبب ہے کہ حلاج کے کلام میں جب ہیں کہ اس نے وصل محبوب کی تمنا کی ہے اور اپنی تسلیم و رضا، کا اظہار کیا ہے جذبہ الفت اور تاثیر کا وہ رنگ ہے جو صوفیا کے کلام میں کمیاب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :۔

"کہ میرے اور تیرے درمیان "میں" کا حائل ہونا مجھے سخت تکلیف دیتا ہے۔

اپنی مہربانی سے اس "میں" کو درمیان سے نکال دے"

"میں وہ ہوں اور وہ میں ہے ہم دونوں دو روحیں ہیں جو ایک ہی جسم میں بستی ہیں۔

اگر تو نے مجھے دیکھا تو گویا تو نے اُسے دیکھا اور اگر تو نے اُسے دیکھا تو تو نے ہم دونوں کو دیکھ لیا۔"

یہاں ضمناً میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان خیالات کا ظاہر کرنے والا یونانی فلسفیوں کا سا "ہمہ اوست" کہنے والا (Pantheist) نہیں ہو سکتا۔ اسی خیال کو جیلی (یعنی حضرت عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ) نے ان توحیدی الفاظ میں ظاہر کیا ہے :۔ "ہم ایک ہی روح ہیں جو دو جسموں میں بستے ہیں"۔ اور جلال الدین رومی کہتے ہیں کہ :۔ "کس مسرت کی وہ ساعت ہے جبکہ ہم دونوں یعنی تو اور میں ایک ہی محل میں بیٹھے ہوں۔ جسم دو ہوں، صورتیں دو ہوں۔ مگر روح تیری اور میری ایک ہی ہو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلاج کا بعض اوقات معنیٔ خاص کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ میں خدا ہو گیا ہوں اور ساتھ ہی اس کے خدا کے منزہ و برتر و رفیع الدرجات ہونے پر بھی پوری قوت سے زور دینا ایسے شخص کو تعجب میں نہیں ڈالتا جس کا کہنا یہ ہو کہ بادی النظر میں منطقی محالات تصوف میں جا کر حقائق ثابتہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ حلاج کے ابتدائی اصول حلاج کے بعد زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہے تاہم ذہنیت مابعد کے لیے وہ بنیاد بن گئے۔ مثال کے طور پر انسان کامل کے متعلق اس تخیل کو لو جو ابن عربی کی تصانیف اور تصوف کی فارسی شاعری میں اس قدر غالب ہے۔ مگر ان چیزوں کے مطالعہ سے حلاج کی خصوصیات کا پتہ نہیں چلتا نہ اُس کی اس ذاتی مصیبت کا حال معلوم ہوتا ہے جس کی جانب اُس نے اس مشہور اور بہت ہی مستعمل شعر میں اشارہ کیا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

حلاج کی وفات کے بعد کی صدی اگرچہ دیگر اعتبارات سے اس قدر نتائج خیز ثابت نہیں ہوئی تاہم اس دور میں تصوف پر باقاعدہ کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مثلاً ابو النصر سراج کی کتاب اللمع اور ابو طالب مکی کی قوت القلوب جن کے ذریعہ بہت قیمتی معلومات جن کا ماخذ ضائع ہو چکا ہے محفوظ چلی آرہی ہیں۔ اس زمانہ میں تصوف نے فلسفہ یونانی کے بڑھتے ہوئے اثر سے متاثر ہو کر اسلام سے ہٹنا اور یونانی فلسفیوں کے ہمہ اوست (Pantheism) اور شریعت سے آزادی اور بالخصوص عقیدہ صدور (Emanation) کی جانب بڑھنا شروع کیا۔ اس کی بیّن مثال ایرانی صوفی ابو سعید سنہ ۹۶۷-۱۰۴۹ء کے سوانح اور کلام میں ملتی ہے۔ بعض اعتبارات سے ان کی تعلیم قابل تعریف ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ :۔

"سچا ولی لوگوں میں آتا جاتا رہتا ہے، اُن کے ساتھ کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے، بازار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جاکر خرید و فروخت کرتا ہے، شادی بیاہ کرتا ہے، خلق سے ملا جلا رہتا ہے، مگر باوجود ان تمام باتوں کے اللہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بھولتا"۔

انہوں نے تمام مخلوق کو "خالق کی آنکھ" سے دیکھا اور فیاضی اور شفقت کے برتاؤ کو اس قدر اہمیت دی کہ ان کے نزدیک خدا تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ اس سے بہتر نہیں کہ ایک مسلمان کا دل خوش کردیا جائے۔ انہوں نے شریعت سے ولی کے تعلق کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اُس کا مقابلہ حلاج کے اقوال و افعال سے کیا جائے تو بلحاظ معنی و بلحاظ عمل بہت فرق معلوم ہوگا۔ حلاج نے حتی الوسع پابندی شرع کی پوری کوشش کی یہاں تک کہ اسے اس لاینحل معرکہ سے سابقہ پڑا جس میں تعمیل شرع کا مقابلہ ان احکام کی تعمیل سے تھا جو وہ حاکم برتر کی جانب سے اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ برعکس اس کے ابو سعید کے نزدیک شریعت کی پابندی اُن کے لیے تو لازمی ہے جو روحانی منازل میں ہوں لیکن اُن کے لیے غیر ضروری ہے جو مقصود تک رسائی پا چکے ہوں۔ اُن کے نزدیک وصول الی اللہ (کبھی کبھی) یا باری باری سے ہونے کی چیز نہیں بلکہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا وہ ایک مستقل اور دائمی نتیجہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے مریدوں کو حج کعبہ سے منع کردیا تھا اور خانہ کعبہ کو حقارت سے "ایک پتھر کا مکان" کہا تھا۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اذان سن کر انہوں نے اپنا رقص درویشی موقوف نہ کیا اور کہا کہ "ہماری یہی نماز ہے"۔ یہ واقعات حرفاً حرفاً صحیح نہ بھی ہوں تب بھی یہ نمونے کا کام دیتے ہیں۔ مشہور رسالہ قشیریہ میں جو ۴۳۵ھ/۱۰۴۵ء میں تصنیف ہوا تھا، قدیم طرز کے متبع سنت صوفیوں کے زہد و تقویٰ کا مقابلہ مصنف نے اپنے زمانہ کے صوفیوں کی بے شرعی اور منافقت سے کیا ہے۔ اس زمانہ سے بھی تیس ۳۰ سال بعد صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ ان کے ہمعصروں نے شہوت کا نام شریعت، توہمات لایعنی کا الہام، نفسانیت و بہیمیت کا نام عشق الٰہی، بدعت کا نام فقر، شبہات کا نام تصفیہ قلب، اور مذہب اصلی سے انکار کا نام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترک و تجرید رکھ لیا ہے۔ جب کہ اولیاء اور ان کے بے شمار معتقدین و متبعین کی جماعت تاریخ و روایاتِ اسلامی کے لیے خطرہ بنی ہوئی تھی، علماء کے گروہ میں تنازعات باہمی پھیل رہے تھے اور وہ یا تو محض کوتاہ فہمی اور تعصب سے قرآن کے الفاظ ظاہری کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے یا فروعات فقہیہ میں الجھ رہے تھے یا خشک عقل کی روشنی میں اصولی عقاید کے تجزیہ کے درپے تھے اور مذہب کو حقیقتاً مذہب بنانے والی باتوں سے جو کہ مذہب کی جان ہیں سرعت کے ساتھ بے تعلق ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے جوشیلے مسلمان اس وقت اپنے دل میں یہ سوال کرتے ہوں گے کہ یہ حالات کب تک قائم رہیں گے اور کوئی ایسی صورت بھی ممکن ہے جو مذہب کی اصلیت کو تو قائم رکھے مگر لوگوں میں پھوٹ نہ پڑنے دے۔ اس سوال کا جواب ایک ایسے شخص کے درمیان میں آجانے سے مل گیا جو اسلام کے سب سے بڑے لوگوں میں سے ہے اور جس کا نام ابو حامد غزالی ہے (سنہ ۱۰۵۸ء-۱۱۱۱ء) اور جو زمانۂ وسطیٰ کے یورپ میں ابو حامت (Abuhamet) اور الغزل (Algezel) کے نام سے مشہور ہے۔

غزالی کے صوفی بننے کا قصہ جو انہوں نے خود قلمبند کیا ہے اپنے طرز کی ایک نہایت ہی عالمانہ تحریر ہے۔ یہاں صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ وہ اپنی عمر کے ابتدائی حصہ میں شکی طبیعت کے تھے۔ تصوف کے مشاہدات نے ان کے اس مرض کا ازالہ کر دیا۔ فلسفہ اور علم کلام میں ان کے تجربے نے انہیں اطمینان دلا دیا کہ ان علوم سے اطمینان پیدا کرنے والی روشنی مفقود ہے۔ دیگر فرقوں کی تعلیمات سے بھی طلب باری نہ ہو سکی۔ تب انہوں نے اس تصوف کی جانب توجہ کی جو حارث محاسبی اور تیسری صدی کے صوفیائے اکابرین فن لکھ گئے تھے اور اس سے ان پر حقیقت منکشف ہو گئی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ جو امور صوفیا کے لیے مختص ہیں وہ کتابوں کے دیکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ عمل اور کیوف اور اندرونی انقلابات ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں، یعنی بالفاظ دیگر صوفیوں کی روش اختیار کرنے اور ان کے سے اعمال پر کاربند ہونے سے وہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں[1]۔ انہوں نے

[1] مگر پروفیسر نکلسن جیسا مرتب کتابوں کے مطالعہ ہی سے سمجھتے ہیں کہ ان میں وہ بصیرت پیدا ہو گئی کہ صوفیا کے اقوال و افعال کی صحیح تنقید کر سکیں
ذوقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بھی دیکھا کہ ان کی نجات خطرہ میں ہے۔ دنیا کی شان و شوکت حاصل کرنے کا انہیں بہت اچھا موقع تھا۔ اس موقع کو ہاتھ سے جانے دینے میں انھیں سخت کشمکش سے سابقہ پڑا۔ اس کشمکش میں ان کی صحت تک خراب ہوگئی۔ مگر بالآخر وہ کامیاب ہوئے اور مثل اس شخص کے جسے مصائب شدید میں کوئی دوسرا سہارا انہیں ملتا انہوں نے خدا کی پناہ ڈھونڈ لی۔ ان کی عمر چالیس برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انہوں نے بغداد اس قصد سے ترک کر دیا کہ پھر کبھی وہاں واپس نہ ہوں گے۔

حاصل یہ کہ حقیقت صوفیا ہی کے پاس نکلی اور اس حقیقت کے متعلق غزالی کے ذاتی تجربے اور ان کی تصانیف بالخصوص احیاء العلوم نے ان لوگوں میں بھی جو کہ اس وقت تک تصوف کے خلاف تھے تصوف کی موافقت میں ایک جوش عظیم پیدا کر دیا، اس زمانے کے بعد سے صوفیا بھی قطعی طور سے اسلام میں داخل سمجھے جانے لگے۔ کیونکہ غزالی اور ان کے بعد بکثرت مسلمانوں کے نزدیک جو انکشافات کہ اولیاء اللہ کو ہوتے ہیں وہ پیغمبروں کے انکشافات ہی کی تائید میں ہوتے ہیں اور پیغمبروں کے انکشافات سرچشمہ ہیں جملہ علوم حقائق کے۔ مگر ساتھ ہی اس کے غزالی اس امر پر بھی زور دیتے ہیں کہ ولایت ماخوذ ہے نبوت سے[1] اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سب پر فضیلت و برتری حاصل ہے اور ان کے احکامات کی ظاہری و باطنی تعمیل سب پر فرض ہے۔ اور گو غزالی کا یہ عقیدہ کہ روح ایک آئینہ ہے جس میں قدسی چنگاری سے روشنی پیدا کی گئی ہے اور جس میں اللہ کی ذات و صفات منعکس ہیں زیادہ دلیر صوفیوں کو خلاف شرع جسارتوں پر ابھار سکتا ہے مگر غزالی اپنی ذات سے اس خطرہ سے محفوظ رہے شاید ان کے دل میں جو خیالات مخفی ہوں وہ ان خیالات سے بڑھے ہوئے ہوں جن کا انہوں نے اپنی کتاب میں اظہار کیا ہے۔ گو انہوں نے مشکوٰۃ الانوار میں اس قسم

[1] در اصل ایک نبی کی نبوت اس کی ولایت سے ماخوذ ہوتی ہے اور دوسرے اولیاء کی ولایت اس نبی کی نبوت سے ماخوذ ہوتی ہے جس کے وہ زیر قدم ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجموعہ ہیں جملہ انبیاء کی نبوت و ولایت کی نسبتوں کا (ذوقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فقرے بھی لکھے ہیں کہ :- "اللہ آفتاب ہے اور آفتاب کے علاوہ جو کچھ ہے وہ آفتاب ہی کی روشنی ہے"، مگر اسلام میں یونانی ہمہ اوستی (Pantheistic) زبان کے استعمال سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس زبان کا استعمال کرنے والا بھی یونانی ہمہ اوستیہ (Pantheist) ہو۔ غزالی کبھی کبھی توحید کے مسئلہ کو انتہائی حدود تک لیجاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ وہ اس کے اعادہ سے بھی نہیں چوکتے کہ خدا خالق ہے جس نے محض اپنے ارادہ سے کائنات کی تخلیق فرمائی۔ تصوف کا ان پر جتنا بڑا احسان تھا۔ اُس کا حق بھی انہوں نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اکثر صوفیا کا یہ بھی خیال ہے اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہیں کہ غزالی اتنے زیادہ صوفی نہ تھے جتنے کہ وہ وسیع الخیال مسلمان تھے ان کے سچے زہد و تقوی اور اخلاقی بلندیوں اور سنت پر استحکام نے انھیں اسلام میں راسخ کر دیا تھا۔ اور گو اس بات کو وہ لوگ نہ مانیں مگر بات یہ ہے کہ اُن کی فلسفیانہ نگاہ اور عالمانہ نقادی نے انھیں پختہ بنا دیا تھا[۱]۔ تصوف کو مذہب اصلی بنا دینے میں تو اُن کو اتنی زیادہ کامیابی نہ ہوی اور یہ امر مشکل بھی تھا۔ مگر اصلی مذہب کو تصوف بنا دینے میں انھیں بڑی حد تک کامیابی ہوئی۔ انھوں نے اس تحریک میں قدامت پسند لوگوں کی ایک قوی جماعت کو گھسیٹ لیا اور اس جماعت نے اس طوفانی دور میں جو کہ آنے والا تھا بڑی روک تھام کی۔ مگر اس کے بعد اس تحریک کو چلانے والی قوت ایک دوسری جانب سے آنی شروع ہوی اور جن خیالات نے اب ہجوم کیا اور اس تحریک کو بڑھا لیا اور آیندہ کے لیے تسلط پا لیا وہ غزالی کے خیالات سے مختلف تھے۔ فرقہ ہاے حدیدہ کے متبعین رسول اس واقعہ پر پردہ نہیں ڈال سکتے کہ ان کا روحانی وطن مکہ نہیں بلکہ ایتھنس اور سکندریہ ہے[۲]۔ تصوف کی تاریخ میں غزالی کے ساتھ ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقت تک صوفیوں کے نزدیک خدا اور روح کے درمیان الفت ذاتی کا رشتہ تھا جو اس رسمی عبادت کے برعکس ہے جو خوف و حکومت کے تحت کیجاتی ہی اس رشتۂ الفت کے ساتھ انہوں نے ان الہیات کو شامل کر لیا جو قدرے

---

[۱] مگر امام غزالی رح تو یہ فرماتے ہیں کہ علمی تصوف نے ان میں پختگی پیدا کی فلسفیانہ نگاہ اور عالمانہ نقادی تو ان میں پہلے بھی موجود تھی مگر کسی کام نہ آئی
[۲] میر التمہیدی نوٹ ملاحظہ ہو۔ (ذوقی)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن سے ماخوذ تھیں اور قدرے ارسطو اور اشراقین یا نو فلاطونیوں (Neo-Platonists) سے جوں جوں اسلام کا تسلط کمزور ہوتا گیا خارجی عناصر قوت پکڑتے گئے حتیٰ کہ بربادیٔ خلافت نے ان خارجی عناصر کو میدان کا پورا مالک بنا دیا نتیجۃً فلسفۂ ہمہ اوست یونانی (Pantheistic Philosophy) کی صورت میں برآمد ہوا جو اب سات سو برس کے بعد بھی اسلامی دنیا کے بڑے حصہ پر حکمران ہے اور جسے جلال الدین رومی، حافظ اور دیگر ایرانی صوفی شعرا نے بیان کر کر کے بکثرت لوگوں کو گرویدہ بنا لیا ہے گو یہ لوگ اس مسلک کے اصلی مصنف اور ابتدائی موجد ابن العربی (۱۱۶۵-۱۲۴۰) کی تصانیف کو سمجھ نہ سکیں۔ ان امور کے متعلق کچھ کہنے سے قبل آؤ ذرا ہم اس زمانہ کی دوسری خصوصیت پر بھی غور کر لیں۔ بارہویں صدی (عیسوی) میں مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی اس وسیع تحریک و تنظیم کا آغاز ہوا جو زمانہ وسطیٰ کی عیسائی دنیا کے راہبوں کے سلسلوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس سے قبل مشہور مشائخ اپنے مریدوں کو اپنے پاس جمع کرتے تھے اور مریدین کی یہ جماعتیں بعض اوقات خانقاہوں میں سکونت اختیار کرتی تھیں۔ مگر ان مختلف تعلیمگاہوں میں کسی قسم کا ربط باہمی نہ ہوتا تھا۔ اور یہ خانقاہیں جلد یا بدیر بند ہو جایا کرتی تھیں۔ طالبوں کی مفت تعلیم پانے والی ان جماعتوں کے بجائے جن میں شیخ کی ذاتی توجہ سے فیضان پہنچایا جاتا تھا۔ اب سلسلے قائم ہو گئے ہر سلسلہ میں اولیاء کی ایک طویل فہرست ہوتی ہے جو پیغمبر صاحب سے شروع ہو کر بانیٔ سلسلہ پر ختم ہوتی ہے۔ ان مختلف سلاسل میں دستور العمل بھی مختلف ہوتا ہے، اصول بھی مختلف ہوتے ہیں اور شریعت کی جانب میلان میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ داخل سلسلہ ہونے کے لیے بالعموم تجرد کی شرط نہیں ہوتی اور گو ان سلسلوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے ہیں مگر زیادتی کے ساتھ بالخصوص غربا ہی شامل ہوا کرتے ہیں۔ ہر نیک و بد میں ان لوگوں کا دوسروں پر بڑا اثر ہوتا ہے بعض یورپین مستشرقین نظری ہمہ اوست Theoretical Pantheism اور عملی بداخلاقی کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ مگر مشرقی طبائع کو ان مبتدیانہ تطبیقات کے تحت میں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایا جا سکتا۔ صوفیوں کا ہمہ اوست عملی زندگی میں خدا کی ہستی اور خدا کے احکام کی تعمیل کی ضرورت پر مشتمل ہے گو اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام میں مستند مسلمات اصولی نہ ہونے کی بنا پر صوفیوں کو ایک آزادی حاصل ہے جس کا ان میں سے اکثر غلط استعمال کرتے ہیں [1]

محی الدین ابن عربی جو گروہ صوفیاء میں پرواز تخیل کے سب سے بڑے استاد ہیں ملک اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۴۰ء میں دمشق میں ان کا انتقال ہوا۔ اُن کا فلسفۂ کائنات ضخیم ضخیم مجلدات میں موجود ہے۔ جن میں مشہور ترین تصانیف فتوحات المکیہ اور فصوص الحکم ہیں ان تصانیف کا بڑا حصہ ادق [2] اور ظنی ہے۔ تاہم ان کا مطالعہ کرنے والوں میں سے کوئی شخص بھی مصنف کی دماغی اور تخیلی قوت پر حیرت کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ گو بعض لوگوں مثلاً عبد الکریم جیلی (سنہ ۱۴۱۷ء) نے ان ہی باتوں کو زیادہ وضاحت اور زیادہ اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مندرجہ ذیل خاکہ میں صرف چند اہم نکات ہی کو لیا جاتا ہے :۔

ابن العربی پکے موحد ہیں اور ان کے مسلک کو وحدت الوجود کا جو نام دیا گیا ہے وہ صحیح طور پر اس مسلک کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جملہ اشیاء کا وجود خیالی پہلے سے علم الٰہی میں موجود تھا۔ جہاں سے یہ اشیاء نکلیں اور وہیں مراجعت کریں گی نفی محض سے خلقت وجود میں نہیں آئی بلکہ کائنات ظہور ہے اس کا جو باطناً خدا ہے۔ ہر چیز کسی نہ کسی صفت الٰہی کا مظہر ہے اور انسان عالم صغیر ہے جس میں جملہ اسماء و صفات کا اجتماع ہے اور صرف انسان ہی میں خدا پوری طرح اپنے سے باخبر ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ

[1] سلاسل صوفیاء اور صوفیوں کی مفروضہ آزادی عمل کے متعلق بھی پروفیسر نکلسن کو متعدد غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں جن کا ازالہ ایک مستقل مضمون مانگتا ہے۔ (ذوقی)۔

[2] اس کا کیا ثبوت ہے کہ محی الدین ابن عربیؒ نے اپنی تصانیف میں جو کچھ لکھا وہ ظنیات اور پرواز تخیل کے تحت میں ہے؟ کیا اس کا بھی ثبوت ہے کہ کشف و الہام پروفیسر نکلسن کے فہم سے بالاتر امور ہیں؟ کیا جو چیز پروفیسر صاحب کی عقل سے ماوراء ہو اس کا وجود ہی محال ہے؟ ابن عربی رح کی تحریریں بھی پروفیسر صاحب کے فہم سے بہت ارفع ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے مضمون میں ان تحریروں کا خلاصہ بالکل غلط دیا ہے اور ابن عربی رح کی تحریروں کی باریکیوں کو وہ بالکل نہیں سمجھتے (ذوقی)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جسمیں کہ ناسٹک (Gnosticism) اشراقیت (Neo-Platonism) عیسائیت
اور دیگر مخارج سے اجزا رکو لے کر شامل کیا گیا ہے ابن العربی کے مسلک میں نہایت مرکزی حیثیت اختیار
کیے ہوئے ہے۔ یہ لب لباب ہے اصول تخلیق کائنات کا۔ الہٰیت کو ایک شئے خارجی قرار دیکر اصلی انسانی
تخیل میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا پہلا جسدی اوتار آدم ہے۔ انسان کامل خدا کی صورت و فطرت کا
نمونہ ہے اور رحمت الٰہی اور تنظیم کائنات کے درمیان واسطہ ہے جس کے ذریعہ سے دنیا زندہ اور
قائم رکھی جاتی ہے۔ اور لازمی طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بدرجہ اتم انسان کامل ہیں۔ ابن العربی
سے بہت پہلے ہی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہستی کی قدامت کا عقیدہ تسلیم کیا جا چکا ہے۔ سب سے
پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی سمجھا جاتا ہے کہ نور محمدی ہے جو آدم میں آیا اور نسلاً بعد نسلٍ تمام پیغمبروں
میں ہوتا ہوا بالآخر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صورت میں ظاہر ہوا اور شیعوں کے عقیدہ کے مطابق
ان سے علی اور ائمہ اہل بیت میں منتقل ہوا مگر صوفیا کا عقیدہ ہے کہ یہ نور جملہ اولیا میں ساوی ہے
ابن العربی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دراصل حقیقت الحقائق کہتے ہیں۔ یہ وہ فقرہ ہے جسے اوریجن
Origen نے اصول یا کلمۂ تخلیق کائنات (امر کن) کے بیان کرنے اور ارسطو کے "عقل فعال" کی
جانب اشارہ کرنے میں استعمال کیا ہے۔ اس حیثیت سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تخلیق کائنات
کے لیے واسطہ بنے اور اس دنیا میں خدا کے خلیفہ بنے اور قطب بنے جن پر اس دنیا کا قیام منحصر ہے
اور جن کے لیے یہ دنیا بنائی گئی اور تنہا وسیلہ بنے جملہ الہامات ربانی کا کیونکہ آپ پیغمبر تھے جب کہ
آدم مٹی تھے۔ سینٹ پال اور مصنف انجیل چہارم کے اقوال متعلق بہ مسیح کی کچھ آواز بازگشت سی
معلوم ہوتی ہے ممکن کہ کسی حد تک ایسا ہو بھی۔ بہر نوع ابن العربی عیسائیت کے ساتھ ایک خاص قسم کی

[1] ظنیات اور پرواز تخیل سے یہاں پروفیسر صاحب کام لے رہے ہیں یا حضرت ابن عربی رح؟ صرف مماثلت بلکہ قصداً (ذوقی)
مماثلت جزدی سے ماخذ کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں ہو سکتی بلکہ محض مماثلت کلی سے بھی اس امر میں قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور لفظ "کلمہ" کا استعمال مسیح و محمدؐ (علیہما السلام) دونوں کے لیے کرتے ہیں گو صرف ان دو ہی میں اسے مقید نہیں کرتے ہیں[1] خالص توحیدی تصوف تقریباً لازمی طور پر یا فلسفہ ہمہ اوست (Pantheism) کی جانب رہنمائی کرتا ہے یا اولیاء پرستی کی جانب یا جیسا کہ اسلام میں پیش آیا دونوں کی جانب۔ خالص فطرت الٰہی سے قطع نظر کر کے توجہ شخصی کے لیے حد نظر صرف پیغمبر یا ولی ہی تک پہنچ کر رہ جاتی ہے جن میں سے اور جن کی وساطت سے خدا اپنے کو ظاہر کرتا ہے تخلیق کائنات کے متعلق اس اسلامی اصول کلی کے وجود میں آنے کا سبب اس مذہبی جوش کی تسکین کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جو توحید الٰہی میں فرق آنے دینا گوارا نہیں کرتی مسیحیت نے تشخص الٰہی میں جو تفریق کی ہے اس کو چھوڑ کر یہاں تفریق حیثیات سے کام لیا گیا ہے۔ انسان کامل دنیا میں خدا کا مظہر ہے۔ لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی صوفیانہ عبادت[2] اکثر ان الفاظ میں کرتی ہے جنہیں رسول کی خدا کی شان میں گستاخی قرار دیتے مثلاً "نور محمدی کا ظہور نہ ہوتا تو زمین پر کسی اسرار کا اظہار نہ ہوتا، نہ کوئی چشمہ جاری ہوتا نہ کوئی دریا بہتا"۔ صوفی انہیں "اللہ کا محبوب" کہتے ہیں اور وہ اللہ کے عطیات کو ان لوگوں پر تقسیم کرتے ہیں جو ان سے محبت اور رابطۂ روحانی رکھیں۔

ابن عربی کے نزدیک پیغمبر اولیا کا احترام اُن بکثرت عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے جن کے ذریعہ خدا اپنا اظہار فرماتا ہے بقول ان کے سچے صوفی کے لیے خدا ہر مذہب میں ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

"میرے دل میں ہر صورت سما سکتی ہے میرے دل میں دیر کے لیے بھی گنجائش ہے اور بتوں کے لیے بھی۔ وہ آہوؤں کی چراگاہ ہے۔ اور یا کیا زول کا کعبہ۔ توریت کی تختیاں بھی اس میں ہیں، اور قرآن بھی عشق

[1] جب لفظ "کلمہ" کے استعمال کو وہ صرف ان دو ہی میں مقید نہیں کرتے تو تخصیص ہی کیا ہوئی پروفیسر صاحب کو اس کھینچ تان کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ ہر مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو نبی برحق سمجھتا ہے اور اصلی اور سچے مذہب عیسوی کے ساتھ نہ کہ بگڑی ہوئی عیسویت کے ساتھ دلی محبت رکھتا ہے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ابن عربی رح کو اگر سچی عیسویت کے ساتھ ہمدردی تھی تو کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ (ذوقی)

[2] کوئی مسلمان خواہ وہ صوفی ہو یا غیر صوفی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت نہیں کرتا۔ ہاں آپ کا احترام اور آپ سے محبت ہر مسلمان کا فرض ہے عبادت اور احترام میں فرق ہے ہر عبادت محبت و احترام ہے۔ مگر ہر محبت و احترام عبادت نہیں اولاد باپ سے محبت بھائی بھائی کا احترام بھی محبت و احترام عبادت نہیں پروفیسر نکلسن یہاں بھی مسلمانوں کو کجی نگاہ سے دیکھا ہے۔ (ذوقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرا مذہب ہے اس کے اونٹ جہاں چاہیں چریں۔ مگر میں تو اپنے سچے عقیدہ ہی پر قائم ہوں"۔ مذہب والوں کا خدا صوفیوں کے خدا کے مقابلہ میں محدود ہے۔ یہی وجہ اپنے ہی مسلک کے لوگوں کی تعریف اور غیر مسلک والوں کی مذمت جہالت اور نا انصافی ہے۔ لامذہب اور بت پرست بھی خدا کے بندے ہیں اور خدا کی صورت پر پیدا کئے گئے ہیں اور اس کے بندے ہمدردی کے زیادہ مستحق ہیں گو شریعت ان کے لیے سزائے موت ہی کیوں نہ تجویز کرے بلحاظ اس کے کہ روح ہستیٔ حق کا ایک پہلو ہے ابن العربی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ افعالِ انسانی خود مختارانہ ہیں مگر ان کے مسلک میں اس اختیار کے عام فہم معنی نہیں۔ خدا خود افعال کا صدور مقتضائے فطرت الٰہی فرماتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی لامحدود صفات سے لامحدود آثار مترتب ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نور و ظلمت، نیکی اور بدی، اور دیگر اضداد کا ظہور بھی یقینی ہے اور ان اضداد کے بغیر علم نہیں حاصل ہو سکتا۔ چونکہ شرِ محض کا وجود ہی نہیں دوزخ ایک عارضی چیز ہے جس سے دوزخی بالآخر نجات پا جائیں گے۔ (باقی)

© rasailojaraid.com